طنز و مزاح

لغت میں طنز کے معنی ''طعنہ'' کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں اس لفظ کے لیے ہجو یا تنقیص اور عام بول چال میں تمسخر اور لعن طعن وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، مگر ان تمام اصطلاحوں میں طنز ہی ایک ایسا لفظ ہے جو انگریزی زبان کے SATIRE کی صحیح عکّاسی کرتا ہے۔ اس کے لیے اردو ادب میں یہی اصطلاح رائج ہے۔ اپنے مقصد کے اعتبار سے سچا اور اچھا طنز اصلاح کی غرض سے کیا جاتا ہے، اس سے کسی کو تکلیف پہنچانا مقصود نہیں ہوتا۔

مزاح، خوش طبعی کو کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے یہی معنی درج ہیں۔ انگریزی میں اس لفظ کو HUMOUR کہا جاتا ہے۔ طنز کی طرح مزاح کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بہترین مزاح وہ ہے جس میں لطافت اور شائستگی ہو، پھکڑ پن نہ ہو۔

اُردو ادب میں طنز و مزاح کو عموماً اظہار کا ایک ہی اسلوب سمجھا جاتا ہے۔ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ دونوں کی الگ الگ پہچان ہے جب کہ اوپر کی گفتگو سے واضح ہو چکا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اردو کے بیشتر لکھنے والوں نے طنز و مزاح کو ایک ہی دھاگے میں پرو کر پیش کیا ہے اس لیے دونوں کو ایک ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت بہت پرانی ہے۔ سترہویں صدی کے آخری دور میں جب دلّی کے شاعر اردو زبان کو شعر و شاعری کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور فارسی میں اردو کے پیوند لگا کر تفنّن طبع کے لیے کچھ کہہ لیا کرتے تھے، طنز و مزاح کی ابتدا ہوئی۔ اسی زمانے میں جعفر زٹلی نام کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں اردو طنز و مزاح کا پہلا باقاعدہ شاعر کہا جاتا ہے۔ جعفر زٹلی کی شاعری میں طنز کا عنصر زیادہ ہے اور ان کا طنز بڑا دل دُکھانے والا ہوتا ہے۔ وہ ایک باغی اور انقلابی شاعر تھے۔ ان کے مزاح میں بھی خوش دلی

© NCERT not to be republished

کی جگہ پھکّڑ پن اور مذاق کرنے سے زیادہ مذاق اڑانے والا انداز ملتا ہے۔ اس اعتبار سے انھیں اُردو کا بڑا طنز و مزاح گو تو نہیں کہا جا سکتا مگر وہ پہلے باقاعدہ شاعر ضرور ہیں۔ ان کے بعد کے کئی شعرا کے یہاں طنز و مزاح کے عناصر پائے جاتے ہیں جن میں میرؔ، سوداؔ اور غالبؔ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔ غالب کے کلام میں شوخی کے ساتھ ساتھ گہرا طنز ملتا ہے۔ غالب کی نثر میں بھی، جس کا زیادہ حصہ خطوط پر مشتمل ہے، شوخی اور مزاح کے اعلیٰ ترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ ان کے بعد بھی کئی لوگوں نے یہ روش اختیار کی مگر یہ سب انفرادی کوششیں تھیں۔ اردو میں طنز و مزاح کا باقاعدہ آغاز لکھنؤ کے ہفتہ وار اخبار ''اودھ پنچ'' کے اجرا سے ہوا۔ یہ اخبار منشی سجاد حسین نے جاری کیا تھا اور اس سے اردو کے کئی اہم لکھنے والے وابستہ تھے۔

طنز و مزاح کی تاریخ میں شاعر کی حیثیت سے اکبرؔ الہ آبادی، مجیدؔ لاہوری، ظریفؔ لکھنوی، سیّد محمد جعفری اور دلاورؔ فگارؔ کے نام مشہور ہیں۔ نثر نگاروں میں منشی سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبد المجید سالک، چراغ حسن حسرت، شوکت تھانوی، پطرس بخاری، مرزا فرحت اللہ بیگ، مرزا عظیم بیگ چغتائی، ملّا رموزی، ابراہیم جلیس، کنھیا لال کپور، فکر تونسوی، ابن انشا، کرنل محمد خاں، فرحت کاکوروی، تخلص بھوپالی، مشفق خواجہ، یوسف ناظم اور مجتبیٰ حسین کے نام معروف ہیں۔

© NCERT not to be republished

پطرس بخاری

(1958 —1898)

سیّد احمد شاہ بخاری اصل نام تھا۔ پطرس بخاری کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ تقسیمِ وطن کے بعد وہ اقوام متحدہ سے وابستہ ہوئے اور ایک بلند عہدے پر فائز ہوئے۔

پطرس بخاری اردو کے بہترین مزاح نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے لکھا تو بہت کم لیکن جو بھی لکھا بہت اچھا لکھا۔ اُن کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ''مضامینِ پطرس'' دس مزاحیہ مضامین پر مشتمل ہے لیکن معیار کے اعتبار سے اُردو طنز و مزاح کی تاریخ میں اس کتاب کو ایک بلند مرتبہ حاصل ہے۔

پطرس کے مضامین پر انگریزی مزاح کی گہری چھاپ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی زبان میں اردو ادب، خاص کر شاعری کی شگفتگی اور شائستگی اور عالمانہ نثر کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ اُن کی تحریر میں شوخی، روانی اور بے ساختگی ہے۔ سیدھی سادی بات سے مزاح پیدا کرنا، لفظوں کے اُلٹ پھیر سے نئے جملے تیار کرنا اور خود کو مزاح کا نشانہ بنا کر دوسروں کو ہنسنے کا موقع دینا اُن کا خاص انداز ہے۔ ان کی تحریروں کو خالص مزاح کا نام دینا صحیح نہیں۔ وہ اکثر عام انسانی کمزوریوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ تلخی کا احساس پیدا کیے بغیر طنز کا وار کر جاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

5160CH03

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے، ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہم چاری سے برسبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ لالہ جی! امتحان کے دن قریب آئے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں، ذرا ہمیں بھی صبح جگا دیجیے گا۔

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے بھوکے بیٹھے تھے، دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ہمارے دروازے پر مکّے بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر ہم سمجھے کہ خواب ہے، ابھی سے کیا فکر کرنا، جب جاگیں گے لاحول پڑھ لیں گے، لیکن گولہ باری لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی گئی اور صاحب، جب کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں، صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباواجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ بھی جاگ اٹھی ہوگی۔ بہتیری آوازیں دیتا ہوں...اچھا...اچّھا...تھینک یو...جاگ گیا ہوں...بہت اچّھا...نوازش...آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا کس آفت کا سامنا ہے! یہ سوئے ہوئے کو جگا رہے ہیں یا مُردے کو جِلا رہے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ بھی تو واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں ''قُم'' کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا، نہیں تو چھوڑ دیا۔ مُردے کے پیچھے لٹھ لے کر تھوڑے ہی پڑ جاتے تھے؟ توپیں تھوڑی داغتے تھے؟ یہ ہم سے کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے؟ پیشتر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے، اُس کا اندازہ بس اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لمپ جلایا اور اُن کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھما۔ اب جو ہم نے کھڑکی اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور

© NCERT not to be republished

بزرگوں سے صبحِ کاذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں، اُن میں سے ایک بھی نظر نہ آئی، تو فکر سا ہوگیا کہ آج سورج گرہن نہ ہو! سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی: لالہ جی !... لالہ جی! جواب آیا ''ہوں''

میں نے کہا: '' آج کیا بات ہے کہ اندھیرا اندھیرا سا ہے۔''

کہنے لگے: ''تو اور کیا تین ہی بجے سے سورج نکل آئے۔''

تین بجے کا نام سُن کر ہوش اُڑ گئے، چونک کر پوچھا: '' کیا کہا تم نے؟ تین بجے ہیں؟''

کہنے لگے: '' تین...تو...نہیں...کچھ...سات...ساڑھے...منٹ اوپر تین ہیں۔''

میں نے کہا: '' ارے او کم بخت، خدائی فوج دار، بدتمیز کہیں کے! میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا؟ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے؟ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے؟ تین بجے ہم اُٹھ سکا کرتے تو آج دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے؟ تین بجے اُٹھ کر ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں کہ کوئی مذاق ہے، لاحول ولاقوۃ۔''

دل تو چاہتا تھا کہ عدمِ تشدُّد کو خیر باد کہہ دوں، مگر پھر خیال آیا کہ بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا ٹھیکا تو کوئی ہم نے لے نہیں رکھا ہے، ہمیں اپنے کام سے غرض۔ لمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح دس بجے اُٹھے، بارہ بجے تک منھ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہوسٹل میں وارِد ہوئے، شام کا ارمان انگیز وقت، ہوا بھی نہایت لطیف تھی، طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی، ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے کہ اتنے میں ایک پڑوسی کی آواز آئی: ''مسٹر!''

ہم اس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے، بس انگلیاں وہیں پر رُک گئیں اور کان آواز کی

طرف لگ گئے۔ارشاد ہوا: ''آپ گا رہے ہیں؟'' زور ''آپ'' پر۔

میں نے کہا: ''اجی میں کس لائق ہوں، لیکن خیر، فرمایئے؟''

بولے ''ذرا...وہ...میں ڈسٹرب ہوتا ہوں...''

بس صاحب موسیقیت کی رُوح ہم میں فوراً مرگئی، دل نے کہا ''اونابکارانسان! دیکھ پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔''

صاحب! خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ ''خدایا ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں، ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔''

آنسو پونچھے اور دل کو مضبوط کر کے میز کے سامنے آبیٹھے، دانت پیس لیے، نکٹائی کھول دی، آستینیں چڑھالیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سُرخ، سبز، زرد، سبھی قسم کی کتابوں کا انبار پڑا تھا، اب اُن میں سے کون سی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگادیں کہ باقاعدہ مطالعے کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علٰحدہ رکھ دیا، چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ کھڑا کر دیا، ایک نوٹ پیپر پر کتاب کے صفحوں کی تعداد کو دنوں کی تعداد پر منقسم کیا، ساڑھے پانچ سو جواب آیا۔لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتائے کہ صبح تین ہی بجے کیوں نہ اُٹھ بیٹھے، لیکن کم خوابی کے طبی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ پر ملامت کی۔آخرکار اِس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے تو لغوبات ہے، البتہ پانچ چھ سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہوگا۔صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی، ہم خرما وہم ثواب۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہے تو جلدی ہی سونا چاہیے۔کھانا باہر ہی کھا آئے تھے، بستر ے میں داخل ہوگئے۔

چلتے چلتے خیال آیا کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں۔ یوں تو ہماری

قوتِ ارادی کافی زبردست ہے، جب چاہیں اٹھ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی کیا حرج ہے، ڈرتے ڈرتے آواز دی: ''لالہ جی''!

انھوں نے پتھر کھینچ مارا: ''یس''!

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ تتلا کے درخواست کی کہ ''لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی، میں آپ کا بہت ممنوں ہوں، کل ذرا مجھے چھے بجے، یعنی جس وقت چھے بجیں...

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا: ''جب چھے بج چکیں... سنا آپ نے؟''

چُپ۔

''لالہ جی!''

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا: ''سن لیا۔ چھے بجے جگادوں گا۔''

ہم نے کہا: ''ب، ب، ب، اچھا، یہ بات ہے۔''

توبہ، خدا کسی کو محتاج نہ کرے!

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں، اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھے بجے انھوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کردی۔ اُن کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا، ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو ابھی جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ہی ایک دو منٹ کے بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہرصورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور انھوں نے اس صورت میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کردی۔

اُس کے بعد واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور اُن کے متعلق روایات میں ذرا اختلاف ہے۔ بہرحال اِس کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں، پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمۂ شہادت بھی پڑھا

© NCERT not to be republished

اور پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے پہلے دیباچے کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی اور پھر کا نہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا، یا شاید سر کو اس میں لپیٹ لیا، یا شاید کھانسا، کہ خدا جانے خرّاٹا لیا۔ یہ یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے۔ لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیشتر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے، یا شاید سو رہے ہوں۔ بہرصورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے، جس میں نہ آپ ماہر نہ ہم۔ کیا پتا لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو، یا اُس دن چھے دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں! لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب! شرافت ملاحظہ ہو، محض اس شبہے کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سُنتا رہا اور اپنے آپ کو کوستا رہا، مگر لالہ جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں، اُن کا شکریہ ادا کیا اور اس خیال سے کہ اُن کی دل شکنی نہ ہو، حد درجہ کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور رُوح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ آج بھی اور دنوں کی طرح دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی! صبح کے وقت دماغ کیا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجب چیز پیدا کی ہے، یعنی اگر صبح کے بجائے شام ہو جایا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا!''

لالہ جی نے ہماری اس جادو بیانی کی داد یوں دی کہ آپ پوچھنے لگے: ''تو میں آپ کو چھے بجے جگا دیا کروں نا؟''

میں نے کہا: ''ہاں ہاں، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ بے شک۔''

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعے کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علٰحدہ رکھ دیں، کرسی کو چارپائی کے نزدیک سرکا لیا، اور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا، کنٹوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے، دیا سلائی کو تکیے کے نیچے ٹٹولا، تین دفعہ آیۃ الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک ارادہ کر کے سو گئے۔

صبح لالہ جی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی آنکھ کھل گئی، نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لحاف

کی ایک کھڑکی میں سے ان کو ''گڈ مارننگ'' کہا اور نہایت بیدارانہ لہجے میں کھانسا۔ لالہ جی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے، دل سے کہا کہ ''دل، بھیّا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے، ہم یوں ہی اِس سے ڈرا کرتے تھے۔'' دل نے کہا: ''اور نہیں تو کیا، تمھارے یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔'' ہم نے کہا: ''سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی مجال کیا ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اس وقت لاہور میں ہزاروں ایسے کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا اور مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اڑاتے ہوں گے، اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ بھئی کیا برخوردار اور سعادت آثار واقع ہوئے ہیں۔''

ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اُسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے... ''خوب، تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں، بس ذرا اس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآنِ مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے، ہم بھی کیا روز بروز اِلحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ نہ خدا کا ڈر نہ رسول کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان پاس کر لیں گے۔ اکبر بے چارا یہی کہتے کہتے مر گیا، مگر ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ (لحاف کانوں پر سرک آیا)... تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں...بہت پہلے... کیا بات ہے؟ خداوندانِ کالج بھی کس قدر سُست ہیں! ہر ایک مستعد انسان کو چھے بجے تک قطعی جاگ اٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کالج سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے ...(لحاف سر پر)...! بات یہ ہے کہ تہذیبِ جدید ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی بیخ کنی کر رہی ہے، عیش پسندی روز بروز بڑھتی جاتی ہے...(آنکھیں بند)... تو اب چھے بجے ہیں، تو گویا تین گھنٹے متواتر مطالعہ کیا جا سکتا ہے، سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتاب پڑھیں، شیکسپیئر یا ورڈزورتھ؟'' میں جانوں شیکسپیئر بہتر ہوگا، اس کی عظیم الشّان تصانیف

میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے!'' پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈزورتھ پڑھیں۔ اس کے اوراق میں فطرت کو سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل و دماغ نیچر کی خاموش دل آویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے ...لیکن شیکسپیئر...نہیں ورڈزورتھ ہی ٹھیک رہے گا ...مگر شیکسپیئر ... ہیملٹ ... لیکن ورڈزورتھ ... لیڈی میکبتھ ... دیوانگی ...سبزہ زار ... بادِ بہاری ...صیدِ ہوس ...کشمیر ... میں آفت کا پرکالہ ہوں ...۔''

یہ معمّا اب فلسفے ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ پھر جو ہم نے لحاف سے باہر سر نکالا اور ورڈزورتھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے، اس میں نہ معلوم کیا بھید ہے۔

کالج ہال میں لالہ جی ملے، کہنے لگے: ''مسٹر! صبح میں نے آپ کو آواز دی تھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا؟''

میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا: ''اوہو لالہ جی! یاد نہیں میں نے آپ کو گڈ مارننگ کہا تھا؟ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا۔''

بولے: ''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن بعد میں...اس کے بعد ...کوئی سات بجے کے قریب میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی، آپ بولے ہی نہیں۔''

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا، گویا وہ پاگل ہو گئے ہیں اور پھر متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوری چڑھائی اور غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس تعمق میں رہے۔ پھر یکا یک ایک مجوبانہ انداز سے مسکرا کر کہا: ''ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' میں اس وقت ...اے ...نماز پڑھ رہا تھا۔'' لالہ جی مرعوب سے ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زُہد و اتقا کی مسکینی میں سر نیچے ڈالے کمرے کی طرف چلے آئے۔

اب یہ ہمارا روز مرّہ کا معمول ہو گیا۔ جاگنا نمبر ایک چھے بجے۔ جاگنا نمبر دو دس بجے۔ اس دوران میں لالہ جی آواز دیں تو نماز۔

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

بھوکے بیٹھے تھے	:	بس انتظار میں تھے کہ موقع ملے اور وہ اپنا کام کریں
نابکار	:	جو کسی کام کے لائق نہ ہو
ہم خرما و ہم ثواب	:	(فارسی) کسی چیز سے بیک وقت دو فائدے حاصل کرنا
برسبیلِ تذکرہ	:	تذکرے کے طور پر، باتوں باتوں میں
سحر خیز	:	صبح سویرے جاگنے والا
جل ترنگ	:	ایک باجا (پانی سے بھری بہت سی پیالیوں سے جن پر ہلکی چھڑی کی ضرب لگا کر راگ پیدا کیا جاتا ہے)
پنڈولم	:	انگریزی (Pendulum) دیوار گھڑی کا لٹکن
قسمتِ خوابیدہ	:	سوئی ہوئی قسمت، بدنصیبی
جِلانا	:	زندہ کرنا
قُم	:	(عربی) اُٹھ! حضرت عیسیٰ مُردوں کو ''قُم بِاذْنِ اللہ (اُٹھ اللہ کے حکم سے) کہہ کر زندہ کر دیا کرتے تھے
اہلِ ذوق	:	ادب کا ذوق رکھنے والے، ادب کو سمجھنے اور پسند کرنے والے
صبحِ کاذب	:	صبح کے اجالے سے پہلے کی ہلکی روشنی
خدائی فوجدار	:	ایسا شخص جو دوسروں کے کام میں خواہ مخواہ اور بے وجہ دخل دے
قوّتِ ارادی	:	کسی کام کا ارادہ کرنے کے بعد اسے کر ڈالنے کی قوّت
برخوردار	:	پیاری اولاد یعنی بہت نیک لڑکی یا لڑکا، عام طور پر اچھے لڑکوں

© NCERT not to be republished

کو پیار سے برخوردار کہتے ہیں، اقبال مند، خوش بخت

اکبر : اکبر سے مراد، اکبر الہ آبادی جو اردو کے مشہور طنزیہ ومزاحیہ شاعر تھے

عدمِ تشدّد : طاقت کا استعمال نہ کرنا

وارد ہونا : آنا، پہنچنا

ارمان انگیز : ارمانوں کو ابھارنے والا

تقطیع : سائز، ورق کی لمبائی چوڑائی

اضطراب : پریشانی، بے چینی، الجھن

لغو : فضول، بے معنی

کلمۂ شہادت : مذہب اسلام میں دوسرا کلمہ جس میں گواہی دی جاتی ہے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اصل عربی کلمہ ہے **اشھد ان لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورَسولہٗ**

طمانیت : اطمینان، تسلی

جادو بیانی : بیان کی خوبی جو جادو کا اثر رکھتی ہو

آیۃ الکرسی : قرآن شریف کی ایک مشہور آیت جو عام طور پر خوف یا گھبراہٹ کے موقع پر پڑھی جاتی ہے کہ دل مضبوط ہوجائے اور خطرہ دور ہوجائے

اولوالعزمی : ہمت وحوصلہ

اوسان خطا ہونا : ہوش جاتا رہنا، پریشان ہونا

کسالت : کاہلی، سستی

© NCERT not to be republished

دنیا اور مافیہا	:	(عربی) دنیا میں جو کچھ ہے
شگفتہ طبعی	:	خوش مزاجی
غنچہ دہنی	:	کلی کی طرح منھ ہونا، خوش مزاج ہونا
سعادت آثار	:	جس کی باتوں سے سعادت ظاہر ہوتی ہو
تلاوت	:	پڑھنا، خاص کر قرآن مجید کا پڑھنا
الحاد	:	خدا کا انکار کرنا
مستعد	:	تیار، ہوشیار
فطرت	:	انسان کی طبیعت، مزاج
نیچر	:	(انگریزی) Nature، یہ انگریزی لفظ فطرت اور قدرت دونوں کے لیے یکساں بولا جاتا ہے
شیکسپیئر	:	(William Shakespeare)(1564-1616) انگریزی کا سب سے بڑا ڈرامہ نگار اور شاعر
ورڈزورتھ	:	(William Wordsworth)(1770-1850) انگریزی کا مشہور شاعر جو فطرت کا دلدادہ تھا
ہیملٹ	:	(Hamlet)، شیکسپیئر کا ایک ڈرامہ
لیڈی میکبتھ	:	شیکسپیئر کے ڈرامے Macbeth میں میکبتھ کی بیوی
بیخ کنی	:	جڑ سے اکھاڑ پھینکنا
عظمت	:	بڑائی
صیدِ ہوس	:	اردو ڈرامہ نگار آغا حشر کے ایک ڈرامے کا نام ہے
تعمق	:	گہرائی
مجوبانہ	:	شرماتے ہوئے

© NCERT not to be republished

زہد : گناہوں سے دور رہنا

اِتّقا : ڈرنا، خاص کر خدا سے ڈرنا

زہد واتقا کی مسکینی : گناہوں سے بچنے اور خدا سے ڈرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والا عجز (یہاں یہ فقرہ طنزیہ ہے)

روایات : روایت کی جمع، یعنی کہی ہوئی بات۔ وہ بات جو شروع سے چلی آ رہی ہے۔

غور کرنے کی بات

- اس مضمون میں کاہلوں اور دل لگا کر نہ پڑھنے والوں پر طنز ہے جو مزاح میں بھی شدت پیدا کرتا ہے اور ہمیں غور وخوض کی ترغیب بھی دیتا ہے۔
- ''گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے'' یہ کہاوت ہے اور اُس موقع پر بولی جاتی ہے جب کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے مصیبت کو دعوت ملتی ہو۔
- صبحِ صادق سورج نکلنے سے پہلے کا وقت ہے کہ جب آسمان پر اُجالا پھیلنے لگتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک صبح، صبحِ کاذب ہوتی ہے۔
- ''ہم خرما وہم ثواب'' ایک فارسی کہاوت ہے۔ مذہبی محفلوں میں اکثر خرما (ایک طرح کی مٹھائی یا کھجور) تقسیم ہوتی ہے اور ایسی محفلوں میں جانے سے ثواب بھی ملتا ہے یعنی اسے نیکی میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم خرما وہم ثواب کے معنی ہوئے کسی مذہبی محفل میں جائیں تو خرما بھی ملتا ہے اور نیکی بھی لکھی جاتی ہے یعنی دو فائدے حاصل ہوئے۔ اس معنی میں ہم ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام'' اور ''ایک پنتھ دو کاج'' بھی بولتے ہیں۔
- ''بستر ے میں داخل ہو گئے'' یہاں بستر کی جگہ بستر ا قرار دے کر اس سے ''بستر ے

میں'' بنا لیا گیا ہے۔ بستر کی جگہ ''بسترا'' اب بہت کم بولتے ہیں لیکن پہلے بہت عام تھا۔ میرؔ کا شعر ہے۔

بسترا تھا چمن میں چوں بلبل
نالہ سرمایۂ توکل تھا

- ''جذبات کا محشرستان'' کا مطلب ہے وہ جگہ جہاں جذبات نے حشر بپا کر رکھا ہو یعنی کہ دل۔
- پطرس خوبصورت فقرے لکھنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ فقرے ملاحظہ کیجیے۔ ''گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا''۔ ''شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں'' ان دونوں فقروں میں گلاس اور جل ترنگ اور غنچہ اور شگفتہ میں مناسبت ہے۔

سوالات

1. ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' میں مصنف نے کیا پیغام دیا ہے؟
2. لفظ ''قُم'' اور حضرت عیسیٰ میں کیا تعلق ہے؟
3. لالہ جی نے مصنف کو جگانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا؟
4. سبق کے آخر میں مصنف نے صبح اُٹھنے کا مسئلہ کس طرح طے کیا؟

عملی کام

- عدم تشدّد سے مراد ہے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پُرامن طریقے استعمال کرنا، جنگ اور خون خرابے سے پرہیز کرنا۔ ہمارے زمانے میں کس ہستی نے اس اصول کو بہت قوت اور کامیابی سے استعمال کیا ہے؟ اور انھیں کیا کامیابی حاصل ہوئی؟ اسے بھی لکھیے۔

© NCERT not to be republished

مشتاق احمد یوسفی

(1923–2018)

مشتاق احمد یوسفی ہمارے دَور کے مشہور طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ الفاظ کے انوکھے اور دلچسپ استعمال سے مزاح پیدا کرنے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنے کے علاوہ اشعار اور مصرعوں کے برمحل اور برجستہ استعمال سے ہنسنے ہنسانے کا سلیقہ انھیں خوب آتا ہے۔ وہ اکثر و بیشتر سنجیدہ اشعار اور مصرعوں، کہاوتوں، محاوروں اور ضرب الامثال میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے یا اپنی اصلی صورت میں ایسے سیاق و سباق کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ پڑھنے والا پھڑک اُٹھتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کا یہی عمل ان کے انشائیوں میں شگفتگی اور دلآویزی پیدا کرتا ہے۔ ان کی تحریر میں ایسی اپنائیت ہوتی ہے کہ قاری بلاتکلّف اُن کے قہقہوں میں شریک ہوجاتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی الفاظ کے مزاج داں ہیں۔ لہجے کے اُتار چڑھاؤ اور نزاکتوں سے خوب کام لیتے ہیں۔ 'چراغ تلے'، 'خاکم بدہن'، 'زرگزشت'، 'آبِ گم' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ذیل کا مضمون اُن کی کتاب 'چراغ تلے' سے لیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

یادش بخیر یا

یادش بخیر! مجھے وہ شام کبھی نہ بھولے گی جب آخر کار آغا تلمیذالرحمٰن چاکسوی سے تعارف ہوا۔ سنتے چلے آئے تھے کہ آغا اپنے بچپن کے ساتھیوں کے علاوہ جواب ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، کسی سے نہیں ملتے اور جس سہمے سہمے انداز سے انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا، بلکہ کرایا، اس سے بھی یہی ہویدا تھا کہ ہر نئے ملاقاتی سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ اپنی اُنگلیاں ضرور گن لیتے ہوں گے۔ دشمنوں نے اُڑا رکھی تھی کہ آغا جن لوگوں سے ملنے کے متمنّی رہے ان تک رسائی نہ ہوئی اور جو لوگ اُن سے ملنے کے خواہش مند تھے، اُن کو منھ لگانا انھوں نے کسرِ شان سمجھا۔ انھوں نے اپنی ذات ہی کو انجمن خیال کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقل اپنی ہی صحبت نے اُن کو خراب کر دیا۔ لیکن وہ خود اپنی کم آمیزی کی توجیہہ یوں کرتے تھے کہ جب پرانی دوستیاں نباہنے کی توفیق اور فرصت میسّر نہیں تو نئے لوگوں سے ملنے سے فائدہ؟ رہے پرانے دوست سو ان سے بھی نہ ملنے میں زیادہ لطف و عافیت محسوس کرتے۔ اس لیے کہ وہ نفسیات کے کسی فارمولے کی گمراہ کن روشنی میں اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مل کر بچھڑنے میں جو دُکھ ہوتا ہے، وہ ذرا دیر مل بیٹھنے کی وقتی خوشی سے سات گُنا شدید اور دیرپا ہوتا ہے۔ اور وہ بیٹھے بٹھائے اپنے دکھوں میں اِضافہ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ سُنا یہ ہے کہ وہ اپنے بعض دوستوں کو محض اس بنا پر محبوب رکھتے تھے کہ وہ اِن سے پہلے مر چکے تھے۔ اور از بس کہ ان سے ملاقات کا امکان مستقبل قریب میں نظر نہیں آتا تھا۔ لہٰذا اُن کی یادوں کو حنوط کر کے انھوں نے اپنے دل کے ممی خانے میں بڑے قرینے سے سجا رکھا ہے۔

لوگوں نے اتنا ڈرا رکھا تھا کہ میں جھجکتا ہوا آغا کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک چھوٹا

سا نیم تاریک کمرہ تھا جس کے دروازے کی تنگی سے معاً خیال گزرا کہ غالباً پہلے موروثی مسہری اور دوسری بھاری بھرکم چیزیں خوب ٹھساٹھس جمادی گئیں، اس کے بعد دیواریں اُٹھائی گئی ہوں گی۔ میں نے کمالِ احتیاط سے اپنے آپ کو ایک کونے میں پارک کرکے کمرے کا جائزہ لیا۔ سامنے دیوار پر آغا کی ربع صدی پرانی تصویر آویزاں تھی جس میں وہ سیاہ گاؤن پہنے ڈگری ہاتھ میں لیے، یونیورسٹی پر مسکرا رہے تھے۔ اُس کے عین مقابل، دروازے کے اُوپر دادا جان کے وقتوں کی ایک کاواک گھڑی ٹنگی ہوئی تھی جو چوبیس گھنٹے میں صرف دو دفعہ صحیح وقت بتاتی تھی۔ (یہ پندرہ سال سے سوا دو بجا رہی تھی) آغا کہتے تھے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی یہ ان ''ماڈرن'' گھڑیوں سے بدرجہا بہتر ہے جو چلتی تو چوبیس گھنٹے ہیں مگر ایک دفعہ بھی ٹھیک وقت نہیں بتاتیں جب دیکھو ایک منٹ آگے ہوں گی یا ایک منٹ پیچھے۔

دائیں جانب ایک طاقچے میں جو فرش کی بہ نسبت چھت سے زیادہ نزدیک تھا، ایک گراموفون رکھا تھا، جس کی بالائشینی پڑوس میں بچوں کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ ٹھیک اُس کے نزدیک چیڑ کا ایک لنگڑا اسٹول پڑا تھا، جس پر چڑھ کر آغا چابی دیتے۔ اور چھپّن چھری اور بھائی چھیلا پٹیالے والے کے گھسے گھسائے ریکارڈ سنتے۔ (سننے میں کانوں سے زیادہ حافظے سے کام لیتے تھے)۔ اس سے ذرا ہٹ کر برتنوں کی الماری تھی جس میں کتابیں بھری پڑی تھیں۔ ان کے محتاط انتخاب سے ظاہر ہوتا تھا کہ اردو میں جو کچھ لکھا جانا تھا، وہ پچیس سال قبل لکھا جا چکا ہے۔ اُسی زمانے میں سُنا تھا کہ آغا جدید شاعری سے اس حد تک بیزار ہیں کہ نئے شاعروں کو ریڈیو سیٹ پر بھی ہُوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔ اکثر فرماتے تھے کہ ان جوان رگوں میں روشنائی دوڑ رہی ہے۔ آتشدان پر سیاہ فریم میں جڑا ہوا الوداعی سپاس نامہ رکھا تھا جو اُن کے ماتحتوں نے پندرہ سال قبل پرانی دِلّی سے نئی دِلّی تبادلہ ہونے پر پیش کیا تھا۔ اس تقریب میں یادگار کے طور پر آغا نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی کھنچوایا جس میں آغا کے علاوہ ہر شخص نہایت مطمئن و مسرور نظر آتا تھا۔ یہ پائینتی ٹنگا تھا تاکہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح

اُٹھنے کے بعد آئینہ ایّام میں اپنی اداد یکھ سکیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت آغا تین درویش صورت بزرگوں کے حلقے میں مہابلی اکبر کے دَور کی خوبیاں اور برکتیں نہایت وارفتگی سے بیان کررہے تھے۔گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ابوالفضل کے قتل تک پہنچے تو ایسی ہچکی بندھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس واردات کی اطلاع ابھی ابھی ملی ہے۔اِس حرکت پر وہ شیخو کو ڈانٹ ڈپٹ کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں پہلا درویش بول اُٹھا: ''اماں چھوڑو بھی، بھلا وہ بھی کوئی زمانہ تھا، جب لوگ چار گھنٹے فی میل کی رفتار سے سفر کرتے تھے۔اور روٗسا تک جمعہ کے جمعہ نہاتے تھے۔''اس کا منہ آغا نے یہ کہہ کر بند کردیا کہ حضرت اس سنہری زمانے میں ایسی سڑی گرمی کہاں پڑتی تھی۔

یہ نوک جھونک چل رہی تھی کہ پہلا درویش پھر گمبھیر لہجے میں بولا'' قاعدہ ہے کہ کوئی دَور اپنے آپ سے مطمئن نہیں ہوتا۔آج آپ اکبرِ اعظم کے دَور کو یاد کرکے روتے ہیں۔لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اکبر کے عہد میں پیدا ہوتے تو علاء الدین خلجی کے وقتوں کو یاد کرکے آبدیدہ ہوتے اپنے عہد سے غیر مطمئن ہونا بجائے خود ترقی کی نشانی ہے۔''

''سچ تو یہ ہے کہ حکومتوں کے علاوہ کوئی بھی اپنی موجودہ ترقی سے مطمئن نہیں ہوتا۔'' چگّی داڑھی والے درویش نے کہا۔

میں نے پہلے درویش کو سہارا دیا،'' آپ بجا فرماتے ہیں۔اسی بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے سے سوفی صد مطمئن ہے تو سمجھ لیجیے کہ یہ گھرانا رو بہ زوال ہے۔برخلاف اس کے،اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو دوستوں سے ملانے میں شرمانے لگے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ خاندان آگے بڑھ رہا ہے۔''

''مگر اس کو کیا کیجیے کہ آج کل کے نوجوان مطلب کی خاطر باپ کو بھی باپ ہی مان لیتے ہیں! کیا سمجھے؟'' آغا نے کہا۔

سب کو بڑا تعجب ہوا کہ آغا پہلی ملاقات میں مجھ سے بے تکلّف ہوگئے۔——اِتنے

کہ دوسری صحبت میں انھوں نے مجھے نہ صرف اپنا پہلونٹی کا شعر بڑے لحن سے سنایا بلکہ مجھ سے اپنے وہ اداریے بھی پڑھوا کر سُنے جو سترہ اٹھارہ سال پہلے انھوں نے اپنے ماہ نامے ''سُر ودِرفتہ'' میں پرانی نسل کے بارے میں مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیے تھے:

''قارئین کا ایڈیٹر کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔''

یہ ربط ضبط دن بہ دن بڑھتا گیا۔ میں اس تقرّبِ خاص پر نازاں تھا۔ گو کہ حاسدوں کو ـــــ اور خود مجھے بھی ـــــ اپنی سیرت میں بظاہر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی جو آغا کی پسندیدگی کا باعث ہو۔ آخر ایک روز انھوں نے خود یہ عقدہ حل کر دیا۔ فرمایا تمھاری صورت عین مَین ہمارے ایک ماموں سے ملتی ہے جو میٹرک کا نتیجہ نکلتے ہی ایسے رُوپوش ہوئے کہ آج تک مفقود الخبر ہیں۔

انگریزوں کا وطیرہ ہے کہ وہ کسی عمارت کو اس وقت تک خاطر میں نہیں لاتے جب تک وہ کھنڈر نہ ہو جائے۔ اسی طرح ہمارے یہاں بعض محتاط حضرات کسی کے حق میں کلمۂ خیر کہنا روا نہیں سمجھتے تاوقتیکہ ممدوح کا چہلم نہ ہو جائے۔ آغا کو بھی ماضی بعید سے خواہ اپنا ہو یا پرایا، والہانہ وابستگی تھی۔ جس کا ایک ثبوت ان کی 1927 ماڈل کی فورڈ کار تھی جو انھوں نے 1955 میں ایک ضعیف العمر پارسی سے تقریباً مفت لی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ چلتی بھی تھی اور وہ بھی اس میانہ روی کے ساتھ کہ محلّے کے لونڈے ٹھلولے جب اور جہاں چاہتے چلتی گاڑی میں کود کر بیٹھ جاتے۔ آغا نے کبھی تعرض نہیں کیا۔ کیوں کہ اگلے چوراہے پر جب یہ دَھکڑ دَھکڑ کر کے دم توڑ دیتی تو یہی سواریاں دھکّے لگا لگا کر منزلِ مقصود تک پہنچا آتیں۔ اس صورت میں پٹرول کی بچت تو خیر تھی ہی، لیکن بڑا فائدہ یہ تھا کہ انجن بند ہو جانے کے سبب کار زیادہ تیز چلتی تھی۔ واقعی اس کار کا چلنا اور چلانا معجزۂ فن سے کم نہ تھا۔ اس لیے کہ اس میں پٹرول سے زیادہ خون جلتا تھا۔ آغا دل ہی دل میں کڑھتے اور اپنے مصنوعی دانت پیس کر رہ جاتے۔ لیکن کوئی یہ کار ہدیتہً لینے کے لیے بھی رضامند نہ ہوتا۔ کئی مرتبہ تو ایسا ہوا کہ تنگ آ کر آغا

کار کو شہر سے دُور کسی پیپل کے نیچے کھڑا کر کے راتوں رات بھاگ آئے۔ لیکن ہر مرتبہ پولیس نے کار سرکاری خرچ پر ٹھیل ٹھال کر آغا کے گھر بحفاظتِ تمام پہنچا دی۔

غرضیکہ اس کار کو علٰحدہ کرنا اتنا ہی دشوار نکلا جتنا اس کو رکھنا۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس سے بہت سے تاریخی حادثوں کی یادیں وابستہ تھیں جن میں آغا بے عزتی کے ساتھ بری ہوئے تھے۔ انجام کار، ایک سہانی صبح فورڈ کمپنی والوں نے اُن کو پیغام بھیجا کہ یہ کار ہمیں لوٹا دو۔ ہم اس کو پبلسٹی کے لیے اپنے قدیم ماڈلوں کے میوزیم میں رکھیں گے اور اس کے بدلے سالِ رواں کے ماڈل کی بڑی کار تمھیں پیش کریں گے۔ شہر کے ہر کافی ہاؤس میں آغا کی خوش نصیبی اور کمپنی کی فیاضی کے چرچے ہونے لگے۔ اور یہ چرچے اس وقت ختم ہوئے جب آغا نے اس پیش کش کو حقارت کے ساتھ مسترد کر دیا۔

کہنے لگے، ''دولوں گا۔''

کمپنی خاموش ہوگئی اور آغا مدّتوں اُس کے مقامی کارندوں کی نااہلی اور ناعاقبت اندیشی پر افسوس کرتے رہے۔ کہتے تھے۔ لالچی کہیں کے! پانچ سال بعد تین دینی پڑیں گی! دیکھ لینا!''

وہ خلوصِ نیت سے اس دَور کو کلجگ کہتے اور سمجھتے تھے، جہاں کوئی نئی چیز، کوئی نئی صورت نظر پڑی اور انھوں نے کچ کچا کے آنکھیں بند کیں اور یادِ رفتگاں کے اتھاہ سمندر میں غڑاپ سے غوطہ لگایا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کندھے پر ایک آدھ لاش لادے برآمد نہ ہوئے ہوں۔ کہیں کوئی بات بارِ خاطر ہوئی اور انھوں نے ''یادش بخیر'' کہہ کر بیتے سمے اور بچھڑی ہوئی صورتوں کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔ ذرا کوئی امریکی طور طریق یا وضع قطع ناگوار گزری اور انھوں نے کولمبس کو گالیاں دینی شروع کیں۔ وہ فی الواقع محسوس کرتے کہ ان کے لڑکپن میں گنّے زیادہ میٹھے اور ملائم ہوا کرتے تھے۔ میرے سامنے بارہا اتنی سی بات منوانے کے لیے مرنے مارنے پر تُل گئے کہ اُن کے بچپنے میں چنے ہرگز اتنے سخت نہیں ہوتے تھے۔ کہتے تھے آپ نہ مانیں یہ اور بات

ہے، مگر یہ ٹھوس حقیقت ہے کہ گذشتہ پندرہ بیس سال میں قطب مینار کی سیڑھیاں گھسنے کی بجائے اور زیادہ اونچی ہوگئی ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں اپنے حالیہ سفرِ دہلی کا تجربہ ہانپ ہانپ کر بیان کرتے۔ چونکہ ہم میں سے کسی کے پاس پاسپورٹ تک نہ تھا، اس لیے اس منزل پر بحث کا پلّہ ہمیشہ ان کے حق میں جھک جاتا۔

قدیم نصابِ تعلیم کے وہ بے حد معترف و مداح تھے۔ اکثر کہتے کہ ہمارے بچپن میں کتابیں اتنی آسان ہوتی تھیں کہ بچّے تو بچّے، اُن کے والدین بھی سمجھ سکتے تھے۔ اسی رَو میں اپنی یونیورسٹی کا ذکر بڑی للک سے کرتے اور کہتے کہ ہمارے وقتوں میں ممتحن اتنے لائق ہوتے تھے کہ کوئی لڑکا فیل نہیں ہوسکتا تھا۔ قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے کہ ہماری یونیورسٹی میں فیل ہونے کے لیے غیر معمولی قابلیت درکار تھی۔ جس شہر میں یہ یونیورسٹی واقع تھی، اسے وہ عرصے سے اجڑا دیار کہنے کے عادی تھے۔ ایک دن مَیں نے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''آغا! خدا سے ڈرو! وہ شہر تمھیں اُجاڑ دکھائی دیتا ہے؟ حالاں کہ وہاں کی آبادی پانچ ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ ہوگئی ہے۔''

''مسلمان ہو؟''

''ہوں تو''

''دوزخ پر ایمان ہے؟''

''ہے۔''

''وہاں کی آبادی بھی تو روز بروز بڑھتی جارہی ہے! کیا سمجھے؟''

اختر شیرانی کی ایک بڑی مشہور نظم ہے جس میں انھوں نے یارانِ وطن کی خیر و عافیت پوچھنے کے بعد، دیس سے آنے والے کی خاصی خبر لی ہے۔ اس بھولے بھالے سوال نامے کے تیور صاف کہہ رہے ہیں کہ شاعر کو یقین واثق ہے کہ اس کے پردیس سدھارتے ہی نہ صرف دیس کی ریت رسم بلکہ موسم بھی بدل گیا ہوگا۔ اور ندی نالے اور تالاب سب ایک ایک کر کے

© NCERT not to be republished

سوکھ گئے ہوں گے۔آغا کو اپنے آبائی گاؤں چاکسو(خورد) سے بھی کچھ اسی نوع کی توقعات وابستہ تھیں۔

آغا کی عمر کا بھید نہیں کھلا۔لیکن جن دِنوں میرا تعارف ہوا، وہ عمر کی اس کٹھن گھاٹی سے گذر رہے تھے جب جوان ان کو بوڑھا جان کر کتراتے اور بوڑھے کل کا لونڈا سمجھ کر منھ نہیں لگاتے تھے۔جن حضرات کو آغا اپنا ہم عُمر بتاتے رہے، اُن میں سے اکثر اُن کو مُنھ درمُنھ چچا کہتے تھے۔خیر، اُن کی عُمر کچھ بھی ہو مگر میرا خیال ہے کہ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جو کبھی جوان نہیں ہوتے۔

اُن کی شادی کے متعلق اتنی ہی روایتیں تھیں جتنے اُن کے دوست! بعضوں کا کہنا تھا کہ بی۔اے۔کے نتیجے سے اِس قدر بددل ہوئے کہ خودکشی کی ٹھان لی۔بوڑھے والدین نے سمجھایا کہ بیٹا خودکشی نہ کرو، شادی کرلو۔چنانچہ شادی ہوگئی۔مگر ابھی سہرے کے پھول بھی پوری طرح نہ مُرجھائے ہوں گے کہ یہ فکر لاحق ہوگئی کہ بچپن انھیں ''اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب'' کرکے کہاں چلا گیا اور وہ اپنی آزادی کے ایّام کو بے طرح یاد کرنے لگے۔حتیٰ کہ اس نیک بخت کو بھی رحم آگیا اور وہ ہمیشہ کے لیے اپنے میکے چلی گئی۔

اس سے مہر بخشوانے کے ٹھیک پندرہ سال بعد ایک مُسِن خاتون کو محض اس بنا پر حبالۂ نکاح میں لائے کہ پینتیس سال اور تین شوہر قبل موصوفہ نے چاکسو میں اُن کے ساتھ اماوس کی رات میں آنکھ مچولی کھیلتے وقت چٹکی لی تھی جس کا نیل اُن کے حافظے میں جُوں توں محفوظ تھا۔لیکن آغا اپنی عادت سے مجبور تھے۔اس کے سامنے پہلی بیوی کی اٹھتے بیٹھتے اس قدر تعریف کی کہ اُس نے بہت جلد طلاق لے لی۔اتنی جلد کہ ایک دن اُنگلیوں پر حساب لگایا تو بچاری کی ازدواجی زندگی، عدت کی میعاد سے بھی مختصر نکلی! آغا ہر سال نہایت پابندی اور دھوم دھام سے دونوں طلاقوں کی سالگرہ منایا کرتے تھے۔پہلی طلاق کی سلور جوبلی میں راقم الحروف کو بھی شرکت کا اتّفاق ہوا۔

© NCERT not to be republished

دوسری خانہ بربادی کے بعد شادی نہیں کی۔ اگرچہ نظر میں آخری دم تک سہرے کے پھوُل کھلتے اور مہکتے رہے۔

گوآغا تمام عمر ''رہینِ ستم ہائے روزگار'' رہے لیکن چاکسو کی یاد سے ایک لحظہ غافل نہیں رہے۔ چنانچہ اُن کی میّت آخری وصیّت کے مطابق سات سو میل دُور چاکسو (خورد) لے جائی گئی اور چاکسو کلاں کی جانب پاؤں کر کے اُسے قبر میں اُتارا گیا۔

لاریب وہ جنّتی تھے، کیوں کہ وہ کسی کے بُرے میں نہیں تھے۔ انھوں نے اپنی ذات کے علاوہ کبھی کسی کو گزند نہیں پہنچایا۔ اُن کے جنّتی ہونے میں یوں بھی شبہ نہیں جنّت واحد ایسی جگہ ہے جس کا حال اور مستقبل اُس کے ماضی سے بہتر نہیں ہوسکتا!

لیکن نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ جنّت میں بھی خوش نہیں ہوں گے اور یادش بخیر کہہ کر جنّتیوں کو اسی جہانِ گزراں کی داستانِ پاستان سنا سنا کر للچاتے ہوں گے جسے جیتے جی وہ دوزخ سمجھتے رہے۔

مشق

لفظ و معنی

ہویدا	:	ظاہر
متمنّی	:	تمنّا کرنے والا
رسائی	:	پہنچ
کسرِ شان	:	وہ بات یا کام جس سے عزّت و آبرو میں کمی آجائے
کم آمیزی	:	کم ملنا جلنا

© NCERT not to be republished

توجیہہ	:	وجہ بیان کرنا
توفیق	:	حوصلہ، صلاحیت، جو خدا کی طرف سے عطا ہو
دیرپا	:	دیر تک قائم رہنے والا
حنوط	:	ایک قسم کا مسالہ جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس کی لاش کو محفوظ رکھنے کے لیے اس پر ملا جاتا تھا۔ یہ قدیم مصر میں رائج تھا۔ ایسی لاشوں کو جنھیں حنوط کیا گیا ہو، ممی (mummy) کہتے ہیں
موروثی	:	وراثت میں ملی ہوئی
ربع صدی	:	چوتھائی صدی (پچیس سال)
آویزاں	:	لٹکا ہوا
کاواک	:	کھوکھلا، جو پوری طرح کارآمد نہ ہو
ہوٹ کرنا	:	انگریزی Hoot، مشاعرہ یا تقریر وغیرہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے شور مچانا
سپاس نامہ	:	وہ تحریر جو کسی جلسے میں کسی شخص کی خدمات کے اعتراف اور تعریف کے لیے پڑھی جائے
تقریب	:	کوئی موقع جہاں لوگ ملنے جلنے کے لیے جمع ہوں
وارفتگی	:	بے خودی
آبدیدہ	:	آنکھوں میں آنسو بھرا ہوا
روبہ زوال	:	پستی کی طرف مائل
لحن	:	سریلی آواز
تقربِ خاص	:	خاص نزدیکی

© NCERT not to be republished

عقدہ	:	پیچیدہ یا مشکل بات، گرہ
عین مَین	:	ہو بہو
مفقود الخبر	:	لاپتہ، وہ شخص جس کی کوئی خبر نہ ہو
وطیرہ	:	ڈھنگ
ممدوح	:	جس کی تعریف کی جائے
والہانہ	:	جذبات سے بھرپور، عاشقوں کی طرح
وابستگی	:	تعلق
تعرّض	:	روک ٹوک
ہدیتہً	:	تحفے کے طور پر، نذرانے کے طور پر
مسترد کرنا	:	واپس کرنا، نامنظور کرنا
ناعاقبت اندیشی	:	انجام کی فکر نہ کرنا
یادِ رفتگاں	:	رفتگاں، رفتہ کی جمع ہے یعنی گذرے ہوئے لوگ، یادِ رفتگاں سے مراد ہے گذرے ہوئے لوگوں کی یاد
بارِ خاطر	:	دل کا بوجھ، یعنی ناپسندیدہ بات یا چیز یا کام
فی الواقع	:	دراصل، واقعی
مدّاح	:	تعریف کرنے والا
رَو	:	بہاؤ
للک	:	اُمنگ، شوق
ممتحِن	:	امتحان لینے والا
درکار	:	ضروری
دِیار	:	شہر، علاقہ

© NCERT not to be republished

یقینِ واثق : پکّا یقین

نَوع : قسم

کوا : وہ غلاف جسے ریشم کا کیڑا اپنے لعاب سے اپنے گرد بنالیتا ہے۔

جوہڑ : چھوٹا تالاب یا حوض جس میں پانی رک کر گندگی یا کائی سے ڈھک گیا ہو

مُسِن : زیادہ عمر کا

حِبالہ : رسی، حبالۂ نکاح کا مطلب ہے نکاح کی قید

عِدّت : شوہر کی موت ہوجانے یا طلاق لے لینے کے بعد ایک مدت جس میں عورت نکاح ثانی نہیں کرسکتی

راقم الحروف : لکھنے والا، یعنی خود مصنف

رہینِ ستم ہائے روزگار : زمانے کی مصیبتوں میں گرفتار، یہ فقرہ غالب کے شعر سے ماخوذ ہے

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

لاریب : بے شک، بلاشبہ

گزند : نقصان

داستانِ پاستان : پرانی داستان، پرانا قصّہ

غور کرنے کی بات

- اس مضمون کا عنوان ''یادش بخیر یا'' ہے جو 'یادش بخیر' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ 'یادش بخیر'

© NCERT not to be republished

ایک دعائیہ کلمہ اس کے معنی ہیں ''اس کی/ان کی یاد اچھی رہے۔'' یہ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کسی غائب شخص یا وقت کے بارے میں ہمیں اپنی محبت، عقیدت یا وابستگی کا اظہار کرنا ہو۔ مشتاق احمد یوسفی نے 'یادش بخیر' کو ''یادش بخیریا'' کہہ کر مزاح کا پہلو پیدا کیا ہے، یعنی جس طرح مالیخولیا اور ہسٹیریا امراض کے نام ہیں اُسی طرح ''یادش بخیریا'' بھی آغا کے لیے ایک مرض بن گیا ہے۔ یوسفی نے nostalgia کا ترجمہ یادش بخیریا کیا ہے۔ nostalgia کسی زمانے یا جگہ یا وطن سے دوری کے نتیجے میں رنجیدگی کے احساس کو کہتے ہیں۔ عربی میں اسے 'حنّ للوطن'' کہتے ہیں جو بہت لطف انگیز ہے۔

مشتاق احمد یوسفی نے اس مضمون میں ایک کردار آغا تلمیذالرحمٰن کا ذکر بہت پُر لطف انداز میں کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آغا کی پوری زندگی قابلِ رحم حالات میں گذری ان کی اس بدحالی میں ان کے دوستوں سے زیادہ خود ان کا ہاتھ تھا۔ اب وہ عمر کی اِس منزل میں تھے کہ صرف یادوں کے سہارے زندہ رہ سکتے تھے۔ اگر آغا کی انھی باتوں کو سادگی سے بیان کر دیا جاتا تو قاری کے لیے دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہوتا لیکن مشتاق احمد یوسفی نے اپنے انداز بیان سے نہ صرف یہ کہ آغا کی زندگی کو دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے بلکہ قاری کو بھی ہنسے ہنسانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ آغا کو بھی وہ کہیں خفگی یا ناراضگی کا موقع نہیں دیتے۔

''اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب'' کا مطلب ہے عہدِ جوانی ایک طرح کا پنجہ ہے جس نے قیدی بنالیا ہے۔ یہ ترکیب مضطر خیرآبادی کے مشہور شعر سے ماخوذ ہے:

اسیر پنجۂ عہد شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

یوں تو یہ مضمون طنز و مزاح کی بہت اچھی مثال ہے لیکن درج ذیل جملے یوسفی کے

مخصوص انداز کی بطور خاص نمائندگی کرتے ہیں۔

- ''اپنے عہد سے غیر مطمئن ہونا بجائے خود ترقی کی نشانی ہے۔''
- ''آپ بجا فرماتے ہیں۔۔۔کہ خاندان آگے بڑھ رہا ہے۔''
- ''۔۔۔ہمارے بچپن میں کتابیں اتنی آسان ہوتی تھیں کہ بچّے تو بچّے ان کے والدین بھی سمجھ سکتے تھے۔''
- ''۔۔۔ہماری یونیورسٹی میں فیل ہونے کے لیے غیر معمولی قابلیت درکار تھی۔''
- ''بوڑھے والدین نے سمجھایا کہ بیٹا خودکُشی نہ کرو شادی کرلو چنانچہ شادی ہوگئی۔''
- ''لیکن آغا اپنی عادت سے مجبور تھے۔۔۔اس نے بہت جلد طلاق لے لی۔''
- ''انھوں نے اپنی ذات کے علاوہ کبھی کسی کو گزند نہیں پہنچایا۔''

سوالات

1. مشتاق احمد یوسفی نے ''یادش بخیریا'' میں جس کردار کا خاکہ پیش کیا ہے اس کے بارے میں ایک نوٹ لکھیے۔
2. یوسفی نے آغا کے کمرے کا نقشہ کس طرح کھینچا ہے؟
3. اس مضمون کی اہم خوبیاں کیا ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

عملی کام

نیچے دیے ہوئے جملوں کی وضاحت کیجیے

- ''انھوں نے اپنی ذات ہی کو انجمن خیال کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقل اپنی ہی صحبت نے ان کو خراب کر دیا۔''

© NCERT not to be republished

- ''لہٰذا ان کی یادوں کو حنوط کر کے انھوں نے اپنے دل کے ممی خانے میں بڑے قرینے سے سجا رکھا ہے۔''
- ''واقعی اس کار کا چلنا اور چلانا معجزۂ فن سے کم نہ تھا اس لیے کہ اس میں پٹرول سے زیادہ خون جلتا تھا۔''
- ''جوان ان کو بوڑھا جان کر کتراتے اور بوڑھے کل کا لونڈا سمجھ کر منھ نہیں لگاتے تھے۔''

© NCERT not to be republished